https://telegram.me/ilmokitab

چودھری افضل حق (مرحوم)

شورش کاشمیری

ہم جن لوگوں کو بہت جلد بھول گئے ہیں، ان میں مرحوم افضل حق بھی ہیں۔ فی زمانناً یارانِ قلم کی جتھہ بندی نے بہت سی قابلِ قدر شخصیتوں کو طاقِ نسیاں کا گلدستہ بنادیا ہے اور بہت سی مٹیوں کو شہرت کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

پنجاب، مرحوم کی قومی زندگی میں پہلی جنگِ عظیم سے لے کر دوسری جنگِ عظیم تک جن لوگوں نے عزت کا مقام پیدا کیا ان میں بعض شخصیتیں ادب و سیاست کے امتزاج کی مظہر تھیں، چودھری صاحب بھی انہی میں سے ایک تھے لیکن سیاسیات کے اختلافی گردوغبار نے انہیں اوجھل کر دیا اور آج وہ محض اس لئے ایک فراموش شدہ عظمت ہیں کہ ان کے گردوپیش اعترافِ محاسن کا کوئی حلقہ نہیں، وہ زندگی میں بھی مفلس کا چراغ تھے اور زندگی کے بعد بھی گمنام قبر ہیں جس پر کوئی کتبہ آویزاں نہیں ہے۔

——— چودھری صاحب کی زندگی ہمیشہ مختلف دھاروں کا سنگم رہی ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے خلاف بہت بڑا احتجاج تھے، انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز پولیس کے سب انسپکٹر کی حیثیت سے کیا تھا۔ جس زمانہ میں وہ پولیس کے سب انسپکٹر بھرتی ہوئے تب ہندوستانیوں میں سے بہت کم لوگ سب انسپکٹر ہوتے تھے، اس "اعزاز" کے مستحق چیدہ چیدہ خاندانوں کے چیدہ چیدہ لوگ ہی سمجھے جاتے تھے۔ مرحوم چودھری صاحب ہوشیارپور کے ممتاز راجپوتوں میں سے تھے، ان کے بڑے بھائی بھی پولیس میں تھے اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ چودھری صاحب پولیس میں رہتے تو عجب نہ تھا کہ اپنی ذہانت و فراست کے بل پر پولیس کا بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کرتے اور عین ممکن تھا کہ پنجاب میں جن ہندوستانی پولیس افسروں کی آج تک دھوم ہے ان میں سے ایک ہوتے لیکن تحریکِ لاتعاون کے آغاز میں مستعفی ہو گئے ——— سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرماتے ہیں کہ وہ ہوشیارپور کے ایک جلسۂ عام کو خطاب کر رہے تھے اور چودھری صاحب مرحوم اس جلسہ میں ان کی تقریر کے نوٹ لے رہے تھے، میں نے ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو مجھے ایک قبول صورت نوجوان کے چھریرے بدن پر تھانیدار کی وردی نے بہت متاثر کیا۔ میں نے اثنائے تقریر میں کنایۃً کہا:۔

"اے کاش مجھے اس طرح کے نوجوان مل جائیں تو میں چند دنوں میں ہندوستان کی کایا پلٹ دوں لیکن

کیا کروں میرے نوجوان تو فرنگی بابا کی صف میں وردی پہنے کھڑے ہیں "

کچھ دنوں بعد لاہور میں مولانا ابوالکلام آزاد کی صدارت میں جمعیتہ العلماء کا اجلاس منعقد ہوا تو چودھری صاحب نے اس اجلاس میں مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا —— انگریزوں کے لئے کسی نمبردار کا مستعفی ہونا انتظامی نقطۂ نگاہ سے انتہائی خطرناک تھا۔ مسٹر ہری کشن کول اس زمانے میں جالندھر ڈویژن کے کمشنر تھے، انہوں نے چودھری صاحب کو ڈرانے دھمکانے، پھر منانے سمجھانے کی سر توڑ کوشش کی، مگر چودھری صاحب قدم اٹھا چکے تھے اور پیچھے مڑنے کو مطلقاً تیار نہ تھے —— انگریزوں نے دو سال کے لئے قید کر دیا۔ بیدردی کا زمانہ تھا، چودھری صاحب کوئی بڑے لیڈر یا معروف کارکن نہ تھے اعزہ واقربا سرکار پرست تھے، جیلر نے حکام بالا کے ایماء پر سختیاں شروع رکھیں، قید تنہائی میں ڈالا، بیڑیاں لگائیں، چکی پسوائی، کھڑی ہتھکڑی لگوائی، ٹاٹ کے کپڑے پہنوائے، غرض گوناگوں اذیتیں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مگر چودھری صاحب نے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا —— پنڈت بنکی رام شرما قید خانے میں آپ کے ساتھی تھے وہ رہا ہو کر آئے تو انہوں نے روزنامہ "بندے ماترم" میں ان مظالم کے خلاف احتجاج کیا، جس سے لوگوں کو پہلی دفعہ ان کی شخصیت اور ہمت کا علم ہوا۔

—— "دنیا میں دوزخ" "قید خانے کے کوائف" ان کی پہلی تصنیف ہے جو آپ نے رہائی کے بعد قلمبند کی۔ ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی ہوشیار پور نے اس کو شائع کیا اور رہائی کے بعد آپ کو ڈسٹرکٹ کانگرس کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔

تحریک خلافت ختم ہو چکی تو مختلف رہنماؤں کی صلاحیتوں کا بھرم کھلنے لگا مگر چودھری صاحب رفتہ رفتہ اُبھرتے ہی گئے حتیٰ کہ دو چار برس ہی میں صوبہ کے مسلمان لیڈروں کی صفِ اوّل میں شمار ہونے لگے۔ چنانچہ ہندوستان میں اندر خانہ جتنی اتحاد کانفرنسیں منعقد کی گئیں ان میں پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے آپ کو بھی مدعو کیا جاتا رہا اور ہمیشہ آپ کے مشوروں کی قدر کی گئی —— اس رفتار نے انہیں کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ چنانچہ پہلی بار جب پنجاب کونسل کے انتخابات ہوئے تو ہوشیار پور کے مسلم حلقے سے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے —— پنجاب کونسل میں آپ کی قابلیت کے نقش اور بھی واضح ہوئے، خود انگریز ممبروں نے ان کی جرأت و قابلیت کا اعتراف کیا اور اس کی شہادت کونسل کے اجلاسوں کی مطبوعہ کارروائیوں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

میاں فضل حسین مرحوم آپ کے بے حد گرویدہ تھے، ہمیشہ آپ کی اختلافی تقریر کو توجہ سے سنتے —— وہ تمام زندگی کوشاں رہے کہ چودھری صاحب اپنی موجودہ راہ سے ہٹ کر ان کے ہم قدم چلیں اور حکومت میں شریک ہوں لیکن چودھری صاحب ہمیشہ ان کے اس خیال کی مزاحمت کرتے اور اپنے طرزِ عمل کی سچائی پر اصرار کرتے تھے۔

چودھری صاحب مرحوم انتہائی عاجز طبیعت کے بزرگ تھے۔ ہمیشہ لیڈروں کی سی خو بو سے پرہیز کیا، انکسار ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ کبھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ کیا ہیں، بس جو کچھ تھے انتہائی عاجزی کے ساتھ تھے —— صرف ایک دفعہ انہوں نے جیلخانوں میں اصلاحات کے مسئلہ پر بعض باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جیلخانوں کے سدھارنے میں میں نے جو کوششیں کی ہیں مجھے ان پر جائز فخر ہے۔

جن دنوں بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی جیلخانے میں اصلاحات کا مطالبہ کر رہے اور بھوک ہڑتال پر تھے چودھری صاحب غیر سرکاری وزیٹر ہونے کے علاوہ اصلاحاتی کمیٹی کے ممبر تھے آپ نے اس معرکہ میں جس مستعدی کا ثبوت بہم پہنچایا اس سے اپنے پرائے سب عش عش کر اٹھے گو آپ کو اس کمیٹی کی رکنیت سے محروم ہونا پڑا، لیکن آپ نے "دنیا میں دوزخ" کے شعلوں کو ہلکا کرنے میں ایک قابلِ ستائش کارنامہ سرانجام دیا۔ واقفانِ حال کو معلوم ہے کہ اصلاحات کی سب سے پہلی قسط کے مجوز آپ ہی تھے۔

—— ۱۹۳۰ء میں کانگرس نے ڈانڈی مارچ کیا تو گاندھی جی کے بعد دوسری مجلسِ عاملہ کے ارکان میں سے ایک آپ بھی تھے —— سردار

وٹھل بھائی پٹیل صدر تھے اور مالویہ ایسے رہنما کن دہلی میں مجلسِ عاملہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کو گورکھپور جیل میں رکھا گیا جہاں آپ نے اپنی مایۂ ناز تصنیف 'زندگی' سپردِ قلم کی ——— اس کتاب کے شائع ہوتے ہی آپ کے قلم کی دھاک بیٹھ گئی۔ چراغ حسن حسرت نے اس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جو باتیں علامہ اقبال نے بیسیوں اداؤں کے ساتھ کہی ہیں وہ چودھری صاحب نے سیدھے سادے الفاظ میں لکھ دی ہیں۔ مولانا ظفر علی خاں نے 'زندگی' کی تعریف میں نظم لکھی۔ تمام ملک کے جرائد و رسائل نے خراج ادا کیا ——— پنجاب یونیورسٹی نے پہلا انعام پانچ سو روپے دیا، سالہا سال یہ کتاب ادیب عالم کے نصاب میں رہی اور غالباً اب بھی شریکِ نصاب ہے۔

۱۹۳۱ء کے بعد آپ نے پنجابی رفقاء کے ساتھ مل کر اپنی الگ راہ قائم کی چنانچہ ۱۹۲۹ء میں جس مجلسِ احرار کی بنا ڈالی گئی تھی اس کو مسلمانوں کی ایک علیحدہ تنظیم کے طور پر زندہ کیا گیا، تحریکِ کشمیر کی ہمہ گیری نے انہیں دماغِ احرار کا درجہ دیا، سید عطاء اللہ شاہ بخاری انہیں پیار سے احرار کے 'مہاتما جی' کہتے تھے، تحریکِ کشمیر سے لے کر دوسری جنگِ عظیم کے مختلف ملی ہنگاموں میں ان کی شخصیت کے دونوں پہلو ابھرتے گئے ———

ادبی زندگی میں انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ میرا افسانہ' ۲ جلد (خود نوشت سوانح) جواہرات (افسانے)، شعور (ڈرامہ)، محبوبِ خدا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح)، دینِ خدا (اسلامیات)، خطوطِ افضل حق (بیٹی کے نام خط)، تاریخ احرار اور (انگریزی میں) پاکستان و چھوت چھات ———

افسوس ہے کہ ہمارے تنقید نگاروں نے ان کی ادبی زندگی سے انصاف نہیں کیا، حالانکہ وہ اسلوب سے لے کر مقصدیت تک صاحبِ طرز تھے۔ ہمارے ہاں بعض افسانہ نگاروں نے صرف ایک مجموعہ یا ایک افسانہ کی بنا پر ادب اردو میں جگہ حاصل کی ہے اور اس کی وجہ محض ادب میں دھڑے بندی ہے ورنہ ادب کی کوئی ترازو ایسی نہیں جس میں چودھری صاحب کے رشحاتِ قلم تل نہ سکتے ہوں اور ان کا پلڑا مقابلتاً جھکا ہوا ہو ——— اگر ادب کا مقصد تفسیرِ حیات، تنقیدِ حیات اور تعمیرِ حیات ہے تو 'زندگی' اس معیار پر پوری اترتی ہے، جتنا اثر اذہان پر 'زندگی' نے ڈالا ہے اتنا شاید اس دور میں نثر کی کسی ایک کتاب نے نہیں ڈالا لیکن کج روی کی حد ہے کہ ادب کے سیاسی ناقدوں کی نگاہیں اس طرف اٹھتی ہی نہیں اور اٹھتی ہیں تو پیچھے کو لوٹ جاتی ہیں۔

——— سیاسی زندگی میں چودھری صاحب 'مسلمان سوشلسٹ' تھے۔ ایک زمانہ میں انہوں نے 'اسلام میں امراء کا وجود نہیں' لکھ کر علماء کی صفوں میں ہیجان پیدا کر دیا تھا، حتیٰ کہ ان کے کئی احرار ساتھی بھی ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ حالانکہ جو بات وہ کہنا چاہتے تھے اس کے مبادی کا شعور بھی ان حضرات کو نہ تھا۔

'تاریخ احرار' بظاہر احرار کی تاریخ ہے لیکن حقیقتاً مسلمانوں میں طبقاتی احساس کے نشوونما کی تاریخ ہے۔ مرحوم نے اس کتاب میں احرار کے جھگڑے سے اپنا ذہن بکمال و تمام پیش کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان کے غصے اور احتجاج کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے دل میں امراء کے طبقہ کی بدولت کھولتے رہتے۔ وہ چاہتے تھے کہ قرآن مجید میں سرمایہ داری کے خلاف جو احکامات ہیں ان کو یکجا کریں اور پھر ان تفسیروں، تعبیروں اور تاویلوں کے بخیئے ادھیڑیں جنہیں مختلف اوقات میں حکمرانوں کی منشا کے مطابق ڈھالا گیا لیکن اس کی راہ میں کئی دیواریں حائل تھیں مثلاً:

۱ - وہ اس مضمون کی صدیوں پرانی وسعتوں کو سمیٹنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ اولاً وسیع المطالعہ نہ تھے ثانیاً انہیں عربی کا بنیادی علم نہ تھا، ثالثاً عصری تحریکوں کے علمی رجحانات سے کاملاً آگاہ نہ تھے، رابعاً ان کا تجربہ صرف عملی سیاسیات کے بارے میں تھا۔

۲ - جس وقت انہوں نے اس انداز میں سوچنا شروع کیا وہ نظر و بحث کی اس تکرار کے لئے موزوں وقت نہ تھا۔

۴ - جس ماحول میں وہ خوردہ رہے تھے وہاں "دانشور" کھوڑے اور مجذوب "زیادہ تھے۔

——— تمام زندگی فقر و فاقہ میں بسر کی، لیکن وضعداری پر ایک ثانیہ کے لئے بھی آنچ نہ آنے دی ——— جو کمایا جماعت کی نذر کیا ان کے اخلاص و دیانت کی مثالیں اس دور کی پوری تاریخ میں ناپید ہیں ——— ہندوستان میں ایثار پیشہ لیڈروں کی کمی نہیں، گو مسلمانوں میں اس کا قحط ہی رہا، لیکن چودھری صاحب محدود ہونے کے باوجود بے پایاں تھے، انتہائی سیر چشم، اچھے گھرانے میں پرورش پا کر فقیری کی زندگی اختیار کی، وفتر احرار کی بالائی منزل میں قدم رکھا تو پھر اترے نہیں اور اترے تو دوش پر ——— آخری سفر کے لئے ——— دنوں فاقے کئے لیکن دن بھر کے ساتھ بیٹھنے والوں کو خبر نہ ہونے دی۔ مسکراتا چہرہ، متحرک آنکھیں، نرم گفتار، کہیں سے پیسے مل گئے، بعض کتابوں کی رائلٹی مل گئی یا پنجاب کونسل میں حاضری کا چیک آ گیا تو اکثر و بیشتر احباب میں تقسیم ہو گیا۔

شاہ جی کو ضرورت ہے، مولانا حبیب الرحمٰن سوالی ہیں، ماسٹر جی کے پاس کرایہ نہیں، جانباز مانگتا ہے، سردار شفیع کو بل جو تنے کے لئے کچھ رقم درکار ہے، فلاں رضا کار کی شادی ہے، فلاں کارکن بیمار ہے اس کے پاس دوا کے لئے پیسے نہیں ——— اور چودھری صاحب ہیں کہ اپنے آپ کو بیچ کر ان مطالبات کو پورا کر رہے ہیں۔

شہر میں عید ہے، گھر میں فاقہ، کوئی ساتھی سویاں لے کر آ گیا تو عید ہو گئی ورنہ سب اچھا!

دو دفعہ کونسل کے ممبر منتخب ہوئے، ایک دفعہ نکلین ستیہ گرہ کی تحریک کے آغاز میں استعفیٰ دے دیا، تیسری دفعہ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا لیکن رہ گئے ——— اور رہ اس طرح گئے کہ صوبجاتی خود مختاری کے تحت پہلا انتخاب تھا، اب کے وزارتیں قائم ہو رہی تھیں، سردار سکندر حیات ہر قیمت پر شکست دلوانا چاہتے تھے، لاہور کے بہت سے لونے، لنچے اور بہتھ کٹے ہوشیار پور کے حلقۂ انتخاب میں درآمد کئے گئے جنہوں نے بازو پھیلا پھیلا کر اعلان کیا کہ شہید گنج میں ان پر جو کچھ بیتی اس کا ذمہ دار چودھری ہے۔ مسلمان جذباتی قوم، ہوا کا رخ پلٹا، چودھری صاحب ہار گئے۔ پھر اس کے بعد کبھی منتخب نہ ہو سکے، جب کھڑے ہوتے یونی نسٹ پارٹی پوری طاقت سے مقابلہ کرتی، نتیجہ یہ نکلتا کہ شکست کھا جاتے۔ ایک دفعہ راقم نے عرض کیا:

"چودھری صاحب! الیکشن لڑنے سے فائدہ؟ ہمیشہ ترک اٹھانی پڑتی ہے۔"

ہنسنے لگے: "شورش! میں اس لئے الیکشن نہیں لڑتا کہ مجھے جیتنا ہی ہے؛ میں اس لئے بھی الیکشن لڑتا ہوں کہ مسلمان امراء کو یہ احساس ہو کہ غریب ان کا مقابلہ کر سکتا ہے اور غرباء میں یہ ذہن پیدا ہو کہ امراء کا مقابلہ کرنے سے عزتِ نفس بڑھتی ہے۔"

——— چودھری صاحب کی مجموعی قید کوئی آٹھ یا نو برس ہے۔ جن سپرنٹنڈنٹوں اور جیلروں کے پاس انہیں مختلف جیلوں میں رہنے کا اتفاق ہوا وہ ان کی سیرت کے شاہد تھے تقریباً سب متفق الرائے تھے کہ وہ سیاسی قیدیوں میں غیرت مندی، خودداری اور بہادری کے اعتبار سے گوہرِ یکدانہ تھے، ہر سانحہ کو انہوں نے لبیک کہا، جو مصیبت آئی خندہ پیشانی سے جھیلی، کبھی کسی آفت پر اُف نہ کی ——— دمہ کا مرض جیل ہی میں لگا، آواز صاف تھی اس میں نام کو بھی خرخراہٹ نہ تھی لیکن جیل خانے میں ہمیشہ کے لئے گلا رندھ گیا۔ آخری بار ستمبر ۱۹۳۹ء میں قید ہوئے، ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں دمہ اٹھا، حکومت نے علالت کو جان لیوا ہوتا دیکھا تو رہا کر دیا۔ بہتیرا علاج کیا لیکن ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر اقلیمِ حریت کا یہ ستارہ ۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

——— انسانی سیرت کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ جو لوگ اس میں رچ بچ گئے ہوں وہ بھی اس کے کردار کی گواہی دیں۔ چودھری صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے زندگی کے ہر موڑ میں ساتھیوں سے خراج وصول کیا۔ ان کے سب سے بڑے دشمن کا نام حقہ تھا وہ تمباکو نوشی

کے سخت خلاف تھے، انھوں نے اپنی کتابوں میں بھی اس کے خلاف جہاد کیا اور مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں کی ناکامی کے اسباب میں اس کو سرِ فہرست رکھا ہے، اس کا تلخ تجربہ انہیں تحریک کشمیر میں ہوا جبکہ احرار کے فراہم شدہ زرِ اعانت میں سے نصف روپیہ قیدی رضاکاروں کو سگرٹ مہیا کرنے میں اٹھ گیا، کیونکہ بصورتِ دیگر ان کے معافی مانگ کر نکل آنے کا اندیشہ تھا اور اس صورت میں تحریک کی عزت بھی ختم ہو جاتی، اس کے علاوہ وہ حقہ نوش کو کاہل سمجھتے، اور تمباکو کی مضرتوں کو ام الامراض سے تعبیر کرتے تھے۔

ان کے سامنے کوئی ساتھی حقہ نہیں پی سکتا تھا۔ عام رضاکاروں کو ہمیشہ اجتناب کی تلقین کرتے بلکہ ان سے عہد لیتے، لطف کی بات یہ ہے کہ احرار کے ممتاز راہنماؤں میں ایک آدھ راہنما کے سوا چوہدری کے سبھی لیڈر حقہ نوشی کے خلاف تھے ———

افراد و جماعت کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ اتنا صاف تھا کہ بسا اوقات پڑھ کر حیرت ہوتی، بعض سیاسی تحریکوں کے متعلق انہوں نے عجیب و غریب تجزیے کئے ہیں۔ علامہ اقبال کو وہ اپنی صف میں سے سمجھتے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کو علم کا شہنشاہ جن کے ماتھے پر غدار الفاظ سے شکن آجاتی ہے۔ جواہر لال نہرو کو سیاست کا لاڈلا بچہ جو چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوا ہے۔ گاندھی جی کو شاطر سیاستدان جو مہاتما اور مدبر کا ایک دلآویز آمیزہ تھے۔ کانگرس کو وہ ہندو سرمایہ داری کا قلعہ اور مسلم لیگ کو ظالم امراء کی آخری جائے پناہ سمجھتے تھے۔ غرض خلاصۂ کلام یہ تھا کہ:

> "امراء کبھی اس غریب کو ساتھ لے کر نہیں چلتے جو ان کی بات پر سوچتا ہو،
> ان سے اختلاف کرے، ان کے مقابلہ میں ذہین ہو اور ان سے علیحدہ بھی
> اپنی شخصیت کو ابھار سکے۔"

چودھری صاحب میں یہ چاروں خصوصیتیں بدرجۂ اتم تھیں۔ نتیجہ معلوم کہ وہ بساطِ سیاست پر ایک پٹے ہوئے مہرے کی طرح ختم ہو گئے، حتیٰ کہ زمانے کے ساتھ انہیں دوست بھی بھول گئے۔

———